توحیدی ادیان کے درمیان مذہبی ہم آہنگی میں دینی تکثیریت کا کردار

ڈاکٹر سجاد علی رئیسی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامی، شاہ عبداللطیف یونی ورسٹی، خیر پور میرس

Abstract

Religious Pluralism is a New emerging concept of religion which has several meanings.It is similar to the Quranic concept of wahdatul adyan but on the other hand,the new interpretation of religious pluralism is that most of the scholars are agreed that all religions are seeking the reality for the salvation of almighty Allah. Some how realities are existing in every religion.The quranic version of religious pluralism means monotheistic religions are equally preaching the human being for the salvation of God.Indeed, it is an inspiring source to strengthen the religious harmon in the socities.The quranic concept of religious pluralism means to tolerate the interpretational differences of the mono theistic religions.There are several qurnaic verses which are articulating many principles regarding inter-religious harmony, peaceful co-existence and religious pluraistic success.The present paper aims to discuss the concept of pluralism is not matching with the Islamic conept of salvation.Islam completely supports the religious co-existence of every relogion but it dones not mean that every owns completely reality.

Key words: Religious Pluralism, inter-religious harmony, peaceful co-existence

پلورالیزم (Pluralism) انگریزی کا لفظ Plural سے نکلا ہے۔جس کے معنی کثرت وجود، کثیر یا جمع کے ہیں۔عربی میں تعددیۃ اور فارسی میں کثرت گرایی، آئین کثرت اور کثرت خوائی ترجمہ کیا گیا ہے۔ انگریزی میں Religious

Pluralism کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔اردو میں اس اصطلاح کا کوئی متعین ترجمہ موجود نہیں ہے۔لغوی اعتبار سے کثرت یا تعدد داور اصطلاحی ''دینی تکثیریت'' یا ''کثرتیت'' معقول ترجمہ ہو سکتے ہیں۔البتہ اس مشکل کو مدنظر رکھتے ہوئے مقالہ ہذا میں دینی پلورالیزم کی ہی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

قرآن مجید نے بھی اس سے ملتی جلتی ایک اصطلاح ''وحدت الادیان'' استعمال کیا ہے۔جس کو انگریزی میں Interfaith Unity کہا جاسکتا ہے۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ دینی تکثریت کے اور بہت سارے مفاہیم بھی بیان کئے جاتے ہیں،دور حاضر میں اس کا ایک اہم ترین مفہوم بیان ہوتا ہے جو اس مقالہ کا اصل موضوع بحث ہے کہ ایک زمانے میں مختلف اور متعدد ادیان کا وجود ہوتا ہے اور ان تمام ادیان کا محور و مرکز نجات و کامیابی ہوتی ہے اس لئے کسی ایک دین کو حتمی طور پر نجات دہندہ اور دیگر کو غلط سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا ہے۔دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ تمام ادیان کے ماننے والے درحقیقت متلاشی حق ہیں البتہ ان کی دینی روشیں مختلف ہیں۔اس موضوع کو سمجھنے سے قبل دینی پلورالیزم کی اصطلاح کب اور کہاں سے شروع ہوئی اس پر مختصر گفتگو لازمی ہے۔

دینی پلورالیزم کی پیدائش میں اکثریت کی یہی رائے کہ یہ اصطلاح ایک صدی پہلے سن ۱۸۱۸ء میں عیسائی مشنری نے استعمال کیا ہے۔

> "1818, as a term in church administration, from plural+-ism.Attested from 1882 as a term in philosophy for a theory which recognizes more than one ultimate principle.In political science, attested from 1919 (in Harold J.Laski)in sense theory which opposes monolithic state power.General sense of toleration of diversity with in a society or state is from 1933.Related:Pluralist(1620s, in the church sense);pluralistic."(۱)

دینی پلوالیزم کی پیدائش کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔تاریخ انسانی میں ہمیشہ سے بعض کلامی ابحاث موجود رہے ہیں جس سے متعلق بعض سوالات ایسے ہیں جو دینی پلورالیزم کی پیدائش کے اسباب فراہم کرتے ہیں۔سب سے اہم سوال جس پر ہر عام و خاص غور کرتا ہے کہ کیا کسی ایک دین کو دین نجات قرار دے کر دیگر تمام ادیان کے ماننے والوں کو اہل جہنم قرار دیا جائے۔؟

اسلام کی جو تعریف اور حدود بندی عمومی طور پر بیان کی جاتی ہے۔اس کے اندر مندرجہ بالا سوال کا تسلی بخش جواب تلاش کرنا مشکل ہے۔مسلمان کی ایک واضح اور متفقہ تعریف یہی ہے کہ جو خدا کی وحدانیت،قیامت کے ساتھ ختم نبوت کا عقیدہ رکھتا ہوں وہ مسلمان کہلانے کا حقدار ہے۔اس تعریف کے مندرجات اور تفصیلات میں اکثر یہی مفہوم مراد لیا جاتا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی شخص رسماً مسلمان نہیں ہے تو وہ اسلام کے دائرے سے باہر ہے۔یقیناً رسمی طور یہ تینوں عقائد ہی اسلام کے بنیادی عقائد ہیں اس میں سے کسی ایک میں کمی و زیادتی قرآن و سنت کے مطابق جائز نہیں ہے۔ لیکن ان تینوں کی صحیح آفاقی و عالمگیر تعبیر و تشریح لازمی ہے۔

اگر رسماً (محدودیت کے ساتھ) مسلمان ہونا لازمی ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا انسان جس نے اپنے عقل وفہم و فراست کے مطابق کسی دین کو الٰہی دین سمجھا اور اس پر عمل کیا (در حالانکہ دین الٰہی کا انکار کرنا مقصود نہیں ہے) تو پھر کیا اس انسان کو جہنمی اور کافر کہا جائے گا۔؟ ایسا کوئی انسان جس تک دین اسلام کا پیغام نہیں پہنچا ہے یا اس کو دین اسلام پر غور کرنے کے مواقع نہیں ملے تو اسلامی نقطہ نظر سے ایسے انسان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ عقل انسانی تو کم از کم یہی حکم دیتا ہے کہ اگر ایسے انسان کو مسلمان نہیں تو کافر بھی نہیں کہا جا سکتا ہے۔ مشہور دانشور استاد مرتضیٰ مطہری (جو دینی پلورالیزم کے جدید نظریہ کے شدید مخالف ہیں) کے نزدیک بھی کسی شخص کا رسمی مسلمان ہونا دین کے دائرے میں داخل ہونا نہیں ہے بلکہ ہر وہ شخص جو (عقل و دل) کے ساتھ تسلیم کرنے کی ملکہ رکھتا ہو اب اگر اس تک دین اسلام کا پیغام حقیقی نہیں پہنچا ہے اس کے باوجود اسے کافر یا جہنمی نہیں کہا جا سکتا ہے۔ "اگر کوئی شخص تسلیم کی صفت کا حامل ہے لیکن بعض وجوہات کی بناء پر اسلام کی حقیقت اس کے سامنے نہ آ سکی تو اس میں اس کی کوئی تقصیر نہیں اور خداوندی تعالیٰ بھی اس پر عذاب نازل نہ کرے گا۔ ایسا شخص دوزخ سے نجات پانے والوں میں سے ہے۔'' (۲) دینی پلورالیزم کی فکر جدید دنیا کے سامنے لانے کی اصل وجہ یہی لگتی ہے کہ چونکہ یہودیت وعیسائیت کے ماننے والوں نے مذہب کو صرف روحانیت تک محدود کر کے اس کا آفاقیت کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا تو دوسری طرف آخری اور آفاقی مذہب اسلام کو ان کے بعض ماننے والوں نے ایسے تشریحات پیش کیا کہ اس کی آفاقیت مجروح ہوئی۔ اس محدودیت کے پیش نظر دینی پلورالیزم کا شاہد اختراع ہوا کہ دین اسلام کے موضوعات کی تشریح کی جائے جن میں عقل و دل سے تسلیم کرنے کے ملکہ رکھنے والوں یا جہل مقصر کے حامل لوگوں کیلئے گنجائش پیدا ہو کہ دین اسلام کے نزدیک کافر و مشرک قرار نہ دیا جائے۔ بہر حال یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ مذہب اسلام کی تعریف اور اس کی تعبیر و تشریح کو انتہائی محدود اور مقید کیا گیا ہے، جس سے قرآنی روح کے مطابق اسلام کی آفاقیت آج کے مسلمانوں کے درمیان موجود نہیں ہے۔ اس صورت حال میں مندرجہ بالا سوال اپنی جگہ میں برقرار رہتا ہے اور اسی سوال کے ذیل میں دینی پلورالیزم کا اختراع ایک عقلی اور بدیہی بات بن جاتی ہے۔ کیونکہ کسی بھی مذہب کا پیروکار یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک غلط اور گمراہ مذہب کا ماننے والا ہے بلکہ ہر مذہب کا ماننے والے کا یہی نظریہ اور عقیدہ ہوتا ہے کہ اس کی روحانی تسکین اور نجات بعد الممات اسی مذہب کی پیروی میں ہے۔ یوں ہر مذہب کا ماننے والا اپنے کو نجات دہندہ مذہب کا پیروکار سمجھتا ہے یوں غیر محسوس انداز میں ایک دینی پلورالیزم کی ایک جدید شکل سامنے آ جاتی ہے کہ دنیا میں کسی بھی مذہب کا وجود غلط اور باطل کے ضمن میں باقی نہیں رہ جاتا ہے۔ اگر ہم اسلام کی بات کریں تو اسلام بھی یقیناً ایک نجات دہندہ دین ہے۔ دین اسلام کی پیروی دین و دنیا میں کامیابی اور نجات کا باعث ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دین دوسرے مذاہب کے ماننے والے سب کے سب واصل جہنم ہوں گے۔ بلکہ ہمیں دین کی صحیح تشریح اور تعبیر کو از سرِ نو بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ البتہ میرے کہنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہر اس انسان کو اسلام کے دائرے میں داخل کر دیا جائے تو کسی طرح سے دین و مذہب پر غور و فکر نہیں کرتا ہے۔ دنیاوی طور پر اچھا و برا انسان کے کچھ مسلمہ اصول ہیں جو تقریباً تمام مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان برابر اور تسلیم شدہ ہیں کیا اسلام ہر اچھے انسان کو اسلام کے دائرے میں داخل سمجھتا ہے؟

دینی پلورالیزم کی اختراع پر ایک وجہ دین کے مظاہرات اور ممارسات میں افراط وتفریط کو قرار دیا جاتا ہے۔ اگر الہامی دین کی آفاقیت کو صحیح طرح سے درک کیا جائے تو اس میں کسی طرح کی افراط وتفریط نہیں ہے۔ کیونکہ اعتقادی نظریات کو دین کہا جا سکتا ہے۔ اعمال کے میدان میں تنوع رہتا ہے۔ تمام انبیاء کے اعتقادی نظریات میں کوئی تفاوت نہیں تھا لیکن مرور زمانے کے تقاضے کے مطابق احکام واعمال دین میں میں تفاودات موجود تھے۔ جن کو شریعت یا منہج دین کہا جاتا ہے۔ جیسے مرتضیٰ مطہری لکھتے ہیں:

تفاوت شرایع آسمانی یکی در یک سلسله مسائل فرعی و شاخه ای بوده که بر حسب مقتضیات زمان و خصوصیات محیط و پژگی های مرامی که دعوت می شده اند، متفاوت می شده است وهمه شکل های بودی است، و دیگر در سطح تعلیمات بوده که پیامبران بعدی به مرازات تماکل بشر، در سطح بالاتر تعلیمات بوده خویش راکه همه در یک زمینه بوده القا کرده اند، این تکامل دین است نه اختلاف دین، قرآن هرگز کلمه "دین" رابه صورت جمع "ادیان" نیاورده است. از نظر قرآن آنچه وجود داشته است دین بوده نه ادیان۔(۳)

لہذا دین سے مراد حضرت آدم سے خاتم تمام انبیاء تک کی تعلیمات پر مشتمل نظریات کا نام ہے۔ قرآن مجید نے اس اصول کو متعدد آیات میں بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے مشہور آیت یہ ہے:

> شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّيْنِ الدِّيْنِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحاً وَالَّذِىْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيْسَى أَنْ أَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِىْ إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِىْ إِلَيْهِ مَن يُنِيْبُ۔(۴)
>
> ''اُس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرّر فرمایا جس کا حکم اُس نے نُوح (علیہ السلام) کو دیا تھا اور جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی اور جس کا حکم ہم نے ابراھیم اور موسیٰ وعیسیٰ (علیھم السلام) کو دیا تھا (وہ یہی ہے) کہ تم (اِسی) دین پر قائم رہو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو، مشرکوں پر بہت ہی گراں ہے وہ (توحید کی بات) جس کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں۔ اللہ جسے (خود) چاہتا ہے اپنے حضور میں (قربِ خاص کے لئے) منتخب فرما لیتا ہے، اور اپنی طرف (آنے کی) راہ دکھا دیتا ہے (ہر) اس شخص کو جو (اللہ کی طرف) قلبی رجوع کرتا ہے۔''(۵)

مفسرین قرآن اس کے ذیل میں لکھتے ہیں من الدین کی تعبیر سے واضح ہوتا ہے آسمانی شریعتوں کی ہم آہنگی صرف توحید یا اصول دین کے دوسرے مسائل تک محدود نہیں ہے بلکہ دین الٰہی اساسی اور بنیادی لحاظ سے مجموعی طور پر ہر جگہ ایک ہے ہر چند کہ انسانی معاشرے کے ارتقائی تقاضوں کے تحت فروعی قوانین کو انسان کے ارتقائی مراحل سے ہم آہنگ کرنا پڑتا ہے تا کہ وہ بالتدریج اپنی آخری حدود اور خاتم ادیان تک پہنچ جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک کی دیگر آیات میں بہت سارے شواہد موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ تمام ادیان کے عقائد، فرائض اور قوانین کے کلی اصول ایک جیسے ہیں۔''(٦) جس طرح سے قرآن مجید میں توحید کو

بیان کیا ہے بالکل اسی طرح قرآن نے دیگر آسمانی کتب میں توحیداور دیگر معارف اسلامی کے ہونے کو بیان کیا ہے۔

فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ.(۷)

''پس آپ اسی (دین) کے لئے دعوت دیتے رہیں اور جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے (اسی پر) قائم رہئے اور اُن کی خواہشات پر کان نہ دھریئے، اور (یہ) فرما دیجئے: جو کتاب بھی اللہ نے اتاری ہے میں اُس پر ایمان رکھتا ہوں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل و انصاف کروں۔ اللہ ہمارا (بھی) رب ہے اور تمہارا (بھی) رب ہے، ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی بحث و تکرار نہیں، اللہ ہم سب کو جمع فرمائے گا اور اسی کی طرف (سب کا) پلٹنا ہے۔''(۸)

اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آسمانی کتب کے درمیان فرق نہیں ہے اس لئے قرآنی حکم کے عین مطابق تمام آسمانی کتب کو ماننا ضروری ہے کیونکہ سب میں توحیداور دیگر معارف دین کا تذکرہ موجود ہے۔ البتہ اختلاف اعمال میں ایک دوسرے کو لعن وطعن اور صحیح و غلط کے الزامات لگانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اکثر توحیدی مذاہب کے درمیان اختلاف اعمال میں نزاع اور جھگڑا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں اس کو بھی واضح کرتا ہے کہ اختلاف اعمال میں جھگڑنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اعمالنا میں 'لنا' کی ضمیر اہل قرآن کی طرف ہے تو وہی پر آیت کا سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ اعمالکم میں 'کم' کی ضمیر اہل کتاب کی طرف پلٹتی ہے۔ اس لئے آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ مسئلہ بھی حل کر دیا کہ اختلاف اعمال میں کون صحیح اور کون غلط اس کا فیصلہ قیامت کے روز ہوگا۔ لہذا یہ بات واضح ہے کہ آسمانی کتب کے ماننے والوں کے درمیان اعتقادی نظریات میں بہت حد تک وحدت ہے البتہ تشریح و تعبیر میں اختلافات ہیں لیکن ان اختلافات کو بنیاد بنا کر کفر و شرک اور لعن وطعن نہیں ہونا چاہئے جہاں تک اعمال میں اختلاف ہے اس کا محاسبہ روز قیامت ہی ہوگا۔ لہذا خدا تک پہنچنے کا راستہ ایک ہے تو اس سے مراد تمام انبیاء کی تعلیمات پر مشتمل نظریات کا نام ہے اسی بنیاد پر اللہ نے فرمایا ہے کہ: وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۔(۹) ''اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔''(۱۰) یقیناً اسلام ایک ہی دین ہے جس کے مصادیق میں تمام انبیاء کی تعلیمات شامل ہیں۔ اسلام کے اصطلاحی مفہوم کے علاوہ لغوی مفہوم کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس آیت میں لغوی مفہوم کی طرف اشارہ ہے کہ خدا پر اعتقاد رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو خدا کے سامنے Surrender کرے۔ اس مقام پر اسلام بمعنی سپردگی کے ہیں وہ ہر مذہب میں ہو سکتا ہے۔ وہ تمام لوگ جو اپنے مذہب کے ماننے والے ہیں وہ اپنے مذہب کے مسلم ہیں'' خدا نے کہا کہ دین صرف ایک ہے تو اسی کا یہی مفہوم ہے کہ تمام انبیاء کی تعلیمات اس دین کے مصادیق ہیں۔ اس طرح جتنے بھی الہامی مذاہب کے ماننے والے ہیں وہ

دین کے اس آفاقی تصور کا حصہ قرار پاتے ہیں البتہ الہامی تعلیمات میں یقیناً ترامیم ہوچکی ہیں۔ جس سے انکارنہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس تناظر میں الہامی مذاہب سے مربوط لوگوں کو اہل جہنم کہنا مناسب نہیں ہے۔ قرآن نے انہیں کافر سے نہیں پکارا ہے بلکہ ''اہل کتاب'' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر شکیل اوج کہتے ہیں:

''مسلمانوں کو اب پوری دنیا میں ایک نئے اندازِ فکر اور طرزِ عمل کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے اور بالخصوص تمام مذاہب کے پیروکاروں کو اپنا دشمن سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ نیز اب مسلمانوں کو بہت واضح طور پر کافروں اور غیر مسلموں میں بھی فرق کرنا پڑے گا بلکہ شاید کہیں کہیں غیر مسلموں کو خود ان کے اپنے تناظر میں مسلمان بھی سمجھنا پڑے گا۔ واضح رہے کہ مثبت رویوں سے مثبت رویے جنم لیتے ہیں۔''(۱۱)

دین کی مندرجہ بالا تعبیر کے مطابق تمام ادیان الٰہیہ پر اسلام کا اطلاق آسکتا ہے۔ اس لئے تمام آسمانی ادیان کے ماننے والوں کو اہل جہنم اور کافر نہیں کہا جاسکتا ہے۔

جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے اس کو ذرا تفصیل سے بیان کرنا لازمی ہے تاکہ اس سوال کا جواب تلاش کیا جاسکے کہ کیا ہر اچھا انسان دین اسلام میں داخل ہے یا نہیں؟ نجات اور گمراہ کے حوالے سے انسانیت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے کہ ایک گروہ وہ ہے جو متلاشی حق ہے دوسرا گروہ وہ ہے جو منکرین حق ہے۔ متلاشی سے مراد انسان اپنی بساط کے مطابق یہ کوشش کرتا ہے کہ نجات دنیوی واخروی حاصل کرے اور اس کے لئے جستجو کرتا ہے۔ وہ جس اور جہاں بھی پہنچتا ہے اس کے مطابق عمل کرتا ہے تو متلاشی حق کا مصداق قرار پاتا ہے۔ اب اگر اس نے اپنے عقل وسلیم کے مطابق کسی شئے کو حق جانا اور پھر اس پر عمل کیا ہے تو اس کو اسی کے مطابق سزا دیا جائے گا۔ اگر وہ واقعی حق تک پہنچا ہے تو وہ صالحین اور مومنین کے گروہ میں سے ہوگا اور اگر وہ کوئی ایسا مقام ومنزل تک پہنچا ہے جو مبنی برحق نہ ہو تو مستضعف فکری کا شکار ہوجائے گا۔ البتہ جس مقام ومنزل تک اس کی فکر پہنچی ہے اس پر عمل کرنا بھی شرط ہے۔ جس کو اس نے حق جانا ہے لیکن اس پر عمل پیرا نہیں ہوتا ہے تو ضرور اس کی سزا اسے قیامت کے روز ملے گی۔ البتہ جس کو حق جانا ہے اس کی مخالفت کرے تو وہ کافر کے ضمن میں آئے گا اور اہل گمراہ لوگوں میں شمار ہوجائے گا۔ دوسرا گروہ ان انسانوں کا ہے جو ہٹ دھرم اور ضدی ہیں جو یا تو فطرت انسانی کے خلاف عمل پیرا رہتے ہیں یا حق کو پہچاننے کے باوجود اس کا انکار کرتے ہیں، خدا نے انہیں لوگوں کے لئے کافر کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ کافر سے مراد وہ شخص جو فطری اور عقلی اور قطعی دلائل کا انکار کرے۔ حضرت علی اپنی ایک دعا میں فرماتے ہیں۔ **أقسمت أن تملأها من الكافرين من الجنة والناس أجمعين، وأن تخلد فيها المعاندين** (۱۲)''اے خدا تو نے قسم کھا رکھا ہے کہ اس جہنم کو تمام جن وانس کہ جو کافر ہوں گے بھر دوں گا جو تیرے دین سے دشمنی رکھتے ہیں ان کو اس جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رکھے گا۔''

حضرت علی کے اس دعائی جملوں سے بات واضح ہوجاتی ہے کہ وہی لوگ کافر ہیں جو حق کے مقابلے میں ہٹ دھرم بن جاتے ہیں اور فطری اور عقلی دلائل کا انکار کرتے ہیں۔ وہ لوگ کافر کے مصداق میں نہیں آتے ہیں جو فطرت اور عقلی دلائل کو تسلیم کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ دین اسلام کے دلائل واضح ہیں آج کے دور میں کوئی ان دلائل کے حوالے سے مستضعف اور مقصر نہیں ہوسکتا ہے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ مجھے اسلام کا پیغام نہیں ملا۔ یہ بات صحیح ہے کہ اس جدید دور میں کسی بھی مذہب کے دلائل اور نظریات انسانیت کی نظروں سے غائب نہیں ہیں اگر کوئی شخص جستجو کرے تو وہ ان دلائل کو درک کرسکتا ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذاہب کے بارے میں جستجو کیوں کرے کیا تمام مسلمان دیگر مذاہب کے نظریات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب تمام مسلمان دوسرے مذاہب کے بارے میں جاننے کی کوشش نہیں کرتے ہیں تو دوسرے مذاہب کے ماننے والے اسلام کے بارے میں جاننے کی کوشش کیوں کریں۔ آج انسانیت کی سب سے بڑی ستم ظریفی یہی ہے کہ ایک دوسرے کے مذہبی نظریات سمجھے بغیر ایک دوسرے کے خلاف ہوجاتے ہیں۔ مذاہب کے درمیان مکالمے کا فقدان پایا جاتا ہے۔ ادیان عالم کے ظاہری شکل وصورت جو دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اہل دنیا اس کو اسی پس مرظا سے دیکھتی ہے۔ جس طرح سے دنیا کے سامنے اسلام کو پیش کیا جارہا ہے اگر اس کو کسی بھی عقل سلیم رکھنے والے انسان کے سامنے پیش کیا جائے تو اس پر کبھی بھی ایمان نہیں لائے گا۔ اسی لئے پروفیسر ڈاکٹر شکیل اوج کا نظریہ صحت کے قریب لگتا ہے۔ ''حضرت محمد ﷺ کے حیات طیبہ یعنی جب آپ بقید حیات تھے اس زمانے میں جن لوگوں نے آپ ﷺ کو سنا یا دیکھا اور پھر آپ ﷺ کا انکار کیا وہ یقیناً کافر تھے، لیکن رحلت نبوی کے بعد جو لوگ آپ ﷺ کا انکار کرتے ہیں تو وہ کافر نہیں ہیں کیونکہ اب تو رسول ﷺ کو نہیں رسول ﷺ کے ماننے والوں کے دیکھے مسلمان ہونا ہے تو جو موجودہ مسلمانوں کی حالت ہے اسے دیکھے اگر کوئی اسلام قبول نہیں کرتا ہے تو اس کو کافر کا مصداق قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔'' (۱۳) البتہ ڈاکٹر شکیل اوج صاحب خدا تک پہنچنے کے متعدد راستوں کا قائل نظر آتے ہیں لیکن جو توضحات پیش کی گئی اس کے مطابق مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کیلئے بھی نجات کی گنجائش نکل آتی ہے اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں ہے کہ دین متعدد ہیں اور خدا تک پہنچنے کے متعدد راستے ہیں انسان ان متعدد راستوں سے خدا تک پہنچے گا بلکہ دین ایک ہے اور اس ایک دین تک پہنچے کی جستجو انسان کرے چاہے کسی بھی منزل تک پہنچے وہ گمراہ اور کافر نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی فطرت سلیم کے ساتھ جستجو اور تحقیق کرے تو اسے صراط مستقیم ملنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آسکتی ہے۔ اور یہ بھی لازم نہیں کہ انسان پہلے تحقیق کرے پھر اسے حق سے آشنائی ہوجائے بلکہ بعض دفعہ دل حق کو پہچان لیتا ہے پھر انسان اس پر تحقق پیدا کرلیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی کردار سازی پر زیادہ زور دیا ہے کہ اگر کردار و گفتار صحیح ہو تو اس گفتار و کردار سے دوسرا انسان متوجہ ہوجائے گا۔ آپ ﷺ کی سیرت کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک عیسائی کا بیٹا بیمار ہوا تو آپ ﷺ خود چل کر اس بچے کی عیادت کیلئے تشریف لے گے۔ اس کی عیادت کے ساتھ دین حقہ کا پیغام دیا اس بچے کی والد نے اپنے بیٹے کو کہا کہ ان کی بات کو تسلیم کرے کیونکہ یہ خود چل کر عیادت کو آئے ہیں اس لئے یہ جو بھی بات کریں گے یقیناً سچ ہی کہہ رہے ہوں گے۔ لہذا یہ لازمی نہیں ہے کہ انسان صرف تحقیق سے ہی سچ اور سیدھے راستے کا انتخاب کرے بلکہ مسلمانوں کے کردار اور گفتار سے متاثر ہوکر بھی دین حقہ کی طرف متوجہ ہوسکتا ہے۔ البتہ پرفیسر شکیل اوج کا کہنا تھا کہ: ''یقیناً آج کے دور میں مسلمانوں کا کردار و گفتار قابل ستائش نہیں ہے لیکن وہی پر دنیا میں سب سے زیادہ پھیلنے والا مذہب اسلام ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اسلام اس وقت دنیا کا سب سے بڑا مذہب بن چکا ہے۔ تو اسلام کا یہ پھیلاؤ مسلمانوں کی

کرداراور گفتار کے سبب سے نہیں ہوا ہے۔ بلکہ اسلام دنیا کا ایک اہم موضوع بن چکا ہے اس لئے دنیا کی بہت بڑی آبادی اسلامی تعلیمات پر غور اور تحقیق کی طرف متوجہ ہوئی ہے۔جس کے نتیجے میں دنیا کی ایک بڑی تعداد دین اسلام میں داخل ہو چکی ہے۔ بہرحال کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ جو ہر مذہب کے ماننے والے تقریباً یہ دلیل دیتے ہیں کہ لوگ ان کے مذہب کو سمجھے اوراس کو قبول کرے۔مسلمانوں کی طرف سے یہ مطالبہ قدرے زیادہ ہے کہ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے اس لئے اس پر پوری انسانیت غور وفکر کرے اور پھر اس کو قبول کرے۔ دنیا گلوبل ولیج ہے اسلام کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے۔اس لئے قیامت کے روز اسلام کے علاوہ جس مذہب ودین میں ہوں گے سب کے سب اہل جہنم قرار پائیں گے۔ممکن ہو کہ یہ ساری باتیں درست اور صحیح ہوں لیکن اس بات کو تسلیم کرنا ہوگا کہ اسلام آفاقی مذہب ہونے کا ادراک محصولہ اس وقت بنے گا جب اس کے ماننے والے کی سوچ وفکر آفاقی ہو اور ان کا کردار وعمل ایسا ہو کہ انسانیت اس کی طرف آنے پر مجبور ہو اس کا ظاہری حلیہ ایسا ہو کہ لوگ اس پر غور کرنے پر مجبور ہو ایسا سب کچھ نہیں ہے تو کوئی اس پر غور وفکر کیوں کرے گا۔یقیناً آج مسلمانوں کی نہ مذہبی سوچ آفاقی ہے اور نہ ہی ان کا کردار اتنا رشک آمیز ہے۔مسلمانوں کی مذہبی فکر تو اس حد تک محدود اور مقید ہو چکی ہے خود اسلام کے ماننے والے ایک فرقے کے لوگ دوسرے فرقے کے لوگوں کو مسلمان تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو یہ دیگر مذاہب کے لوگوں کے بارے میں کیسے ممکن ہے کہ اچھی رائے کے حامل ہوں۔ اس لئے یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ گلوبل ولیج اور جدید ٹیکنالوجی کو بنیاد بنا کر دین اسلام سے خارج ہر انسان کو موردالزام نہیں ٹھہرایا جائے کہ وہ کافر ومشرک ہے اور اہل جہنمی ہے کہ اس نے اسلام پر غور نہیں کیا ہے۔میرے نزدیک آج کے دور میں بھی انسانوں کی اکثریت جہل مقصر کی حامل ہے۔"(۱۴) اس کے مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اسلام کے علاوہ بھی دین نجات موجود ہیں۔اسلام ہی آفاقی دین ہے اس دین کو ماننے والے آفاقی سوچ وفکر کے ساتھ دنیا کے ساتھ برتاؤں کرے تو یقیناً دنیا کے بیشتر افراد اس پر غور کرنے پر مجبور ہوں گے۔ دین کی اس تعبیر کو معتبر تصور کیا جائے تو دینی پلورالیزم کا اختراع ممکن نہیں ہوتا ہے۔کیونکہ اس صورت میں خدا تک پہنچنے کے متعدد راستے نہیں بلکہ دین کا ایک راستہ ہے وہ وہی ہے جسے خدا نے انبیاء کے ذریعہ انسانیت کے سامنے پیش کیا ہے۔اگر کسی انسان کے پاس یہ راستہ معین اور مشخص ہو کر پیش ہو جائے پھر وہ انکار کرے تو وہ کافر ہے وہ ہرگز خدا تک نہیں پہنچ سکتا ہے اور اگر انسان کے پاس وہ راستہ معین اور مشخص نہ ہو لیکن فطرت انسانی کے مطابق زندگی گزارے تو اسے کافر کہنا بعید از عقل ہے۔اب جو لوگ اس ایک راستہ یعنی اسلام کے علاوہ کسی اور دین یا عقیدے میں رہ کر بھی جہنمی نہیں تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ خدا تک پہنچنے کے متعدد راستے ہیں۔البتہ اسلام کی آفاقیت اور عالمگیریت کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی از سرنو تعبیر تشریح انسانیت کے سامنے لانے کی ضرورت ہے۔تفہیم دین کی بنیادوں پر کفر وشرک کا اطلاق کرنا ہی بنیادی غلطی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دینی پلورالیزم سے مراد مختلف ادیان کے ماننے والوں کی مشترکہ معاشرتی اور تمدنی زندگی مراد لی جائے تو اس کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی انسانی تاریخ پرانی ہے۔لیکن اگر اس سے مراد ایک نظام حکومت کے اندر رہتے ہوئے مختلف ادیان کے لوگ اپنے اپنے دینی نظریات کے مطابق زندگی گزارنا مراد لی جائے تو اس صورت میں بھی اس کی تاریخ اتنی پرانی ہے جتنی تاریخ انسانیت میں پہلی نظام حکومت قائم ہوئی تھی۔مذہبی تفریق اور نظریاتی اختلافات کے باوجود ایک ساتھ زندگی گزارنے کی

اجازت ہو یا ایک خاص قسم کے قوانین مملکت ہو جس میں مذہبی تفریق کے باوجود سب کو یکساں طور پر آزادی کے ساتھ زندگی گزارنے کے مواقع ہوں تو اس قسم کی معاشرتی اور تمدنی تفریق کو دینی پلورالیزم کا نام دیا جاتا ہے تو یہ پلورالیزم ہمیشہ سے معاشرہ انسانی میں زندہ رہا ہے اور آئندہ بھی اس پولرالیزم سے انکار ممکن نہیں ہے۔ لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ دینی پلورالیزم سے مراد مختلف مذاہب کا ایک ساتھ ایک معاشرہ میں زندگی گزارنا اور باہم آہنگی Co-Existence of diversity of religious کے ساتھ رہنا ہے۔

نتائج تحقیق

۱۔ دینی پلورالیزم کی جدید تشریح کے مطابق تمام ادیان عالم متلاشی حق ہیں اس لئے تمام مذاہب کو نجات دہندہ اور توحیدی مذاہب سمجھا جائے ہمارے نزدیک یہ ایک غیر معقول نظریہ ہے۔

۲۔ تمام الہامی مذاہب من حیث المذہب ان کے ماننے والوں کو مطلقاً کافر اور مشرک نہیں کہا جاسکتا ہے انہیں اہل کتاب ہی سمجھا جائے گا۔ یہی قرآنی روش بھی ہے۔

۳۔ اسلام کی آفاقیت اور عالمگیریت کے تحت عقائد و احکام کی تشریحی اختلافات پر کسی کو خارج از اسلام قرار دینا قرآنی روح کے منافی ہے۔

۴۔ یقیناً دنیا کے تمام مذاہب میں حق اور سچ کی باتیں موجود ہیں اگر ان مذاہب کے ماننے والے اپنے عقل و فہم کے مطابق اس کو حق سمجھ کر عمل پیرا ہو اور دینی بغاوت اور انتشار پر مبتلا نہیں ہے تو انہیں کافر اور مشرک کہنا درست نہیں ہوگا تاہم اس کو جہل مقصر سے تعبیر کیا جائے گا۔ اس کے جہنمی اور جنتی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ ایک ایسا انسان جس تک دین اسلام کا پیغام نہیں پہنچا ہے تو وہ بھی جہل مقصر قرار پائے گا۔ جہنمی و جنتی میں سے کسی کا مصداق قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ دور حاضر میں دنیا گلوبلائزیشن کی شکار ہوئی ہے تو ایسا کونسا انسان ہوگا جس تک دین اسلام نہیں پہنچا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ دلیل غیر معقول ہے۔ دنیا کا ہر انسان چاہئے کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہے وہ مذہب میں حق و باطل کے عنوان سے دوسرے مذاہب پر غور نہیں کرتا ہے۔ اب اگر وہ اپنے مذہب کو حق تصور کر کے عمل کر رہا ہے تو اس کو کافر و مشرک قرار دینا مشکل ہوگا۔

۶۔ حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ یعنی جب آپ بقیہ حیات تھے اس زمانے میں جن لوگوں نے آپ ﷺ کو سنا یا دیکھا اور پھر آپ ﷺ کا انکار کیا وہ یقیناً کافر تھے، لیکن رحلت نبوی کے بعد جو لوگ آپ ﷺ کا انکار کرتے ہیں تو وہ کافر نہیں ہیں کیونکہ اب تو رسول ﷺ کو نہیں رسول ﷺ کے ماننے والوں کو دیکھ کر مسلمان ہونا ہے تو موجودہ مسلمانوں کی جو حالت ہے اسے دیکھ کر اگر کوئی اسلام قبول نہیں کرتا ہے تو اس کو کافر کا مصداق قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔

۷۔ دینی ارتقاء میں مکمل اور جامع دین اسلام ہے جو اس کو قبول کرنے کے بعد اعتقادی طور پر اس کا معترض یا منکر ہو جاتا ہے تو اس کو مرتد اور بعض مواقع پر کافر و مشرک کہا جاسکتا ہے۔

۸۔ خدا تک پہنچنے کے متعدد راستے نہیں بلکہ دین کا ایک راستہ ہے وہ وہی ہے جسے خدا نے انبیاء کے ذریعہ انسانیت کے سامنے پیش کیا ہے۔ اگر کسی انسان کے پاس یہ راستہ معین اور مشخص ہو کر پیش ہو جائے پھر وہ انکار کرے تو وہ کافر ہے وہ ہرگز خدا تک نہیں پہنچ سکتا ہے اور اگر انسان کے پاس وہ راستہ معین اور مشخص نہ ہو لیکن فطرت انسانی کے مطابق زندگی گزارے تو اسے کافر کہنا بعید از عقل ہے۔ اب جو لوگ اس ایک راستہ یعنی اسلام کے علاوہ کسی اور دین یا عقیدے میں رہ کر بھی جہنمی نہیں تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ خدا تک پہنچنے کے متعدد راستے ہیں۔ البتہ اسلام کی آفاقیت اور عالمگیریت کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی از سر نو تعبیر تشریح انسانیت کے سامنے لانے کی ضرورت ہے۔

حوالہ جات

(۱) http://www.thesaurus.com/browse/pluralism/noun(November 2018)

(۲) مطہری، استاد شہید مرتضیٰ، عدل الٰہی، ترجمہ از سید ابو طباطبائی (کوثر تحقیقاتی مرکز کراچی، جولائی ۲۰۰۷) ص ۲۹۳

(۳) مطہری، استاد شہید مرتضیٰ، مجموعہ آثار (قم: مقدمہ ای بر جہانی بینی) ج ۲، ص ۱۸۱

(۴) القرآن: ۴۲/۱۳

(۵) القادری، ڈاکٹر طاہر، عرفان القرآن (لاہور: منہاج القرآن پبلیکیشنز، ۲۰۰۵ء) القرآن: ۴۲/۱۳

(۶) مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن (ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۷۰ء) القرآن: ۴۲/۱۳

(۷) القرآن: ۴۲/۱۵

(۸) عرفان القرآن، القرآن: ۴۲/۱۵

(۹) القرآن: ۳/۸۵

(۱۰) عرفان القرآن، القرآن: ۳/۸۵

(۱۱) ماہنامہ پیام، البصیرہ، اسلام آباد، ص ۶۳

(۱۲) ری شہری، آیت اللہ محمدی، میزان الحکمۃ، مترجم مولانا محمد علی فاضل، مصباح الہدیٰ پبلیکیشنز، لاہور، شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ، ج ۲، ص ۱۲۳

(۱۳) اوج، پروفیسر ڈاکٹر شکیل، سابقہ رئیس کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی۔ انٹرویو بتاریخ جنوری ۲۰۱۴ء

(۱۴) ایضاً